منو بھائی کے کالموں میں خود نوشت واقعات ۔تحقیقی و تنقیدی جائزہ

محمد حنیف [1]م ڈاکٹر محمد اشرف کمال **

Abstract:

"Mannu bhai was an octagonal man. Where there are various features in mannu bhai's columns, there is also an important feature of autobiography. A good columnist presents autobiographical events in his columns for his readers. He wrote some memories in his columns. The columns he wrote in the last part of his life under the title "Busilsala Mein Te Mano Bhai" are adorned with various events of his personal life. Reading his columns gives a lot of information about his life. This research paper analyzes his columns consists of his autobiographical events. Mannu bhai introduced his new and own style which earned him popularity in the public. His Subject remained changing with time, but he did not deviate from his own particular style of writing.

Key Words: Mannu bhai, column, style, autobiograhy, personal life."

منو بھائی کالم نگاری کے حوالے سے ایک اہم اور قابل ذکر شخصیت ہیں جنھوں نے طویل عرصہ تک اپنے کالموں کے ذریعے ادب اور سماج کے مختلف مسائل کی تصویر کشی اور ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیا۔انھوں نے جہاں اپنی آپ بیتیوں میں سیاسی وسماجی اور علمی وادبی واقعات بیان کیے ہیں وہیں کچھ کالموں میں اپنے خود نوشت ذاتی واقعات سے قارئین کو معلومات فراہم کی ہیں۔خود نوشت نگار ایسے ھالات زندگی کو اپنے الفاظ میں ڈھالتا ہے کہ ان میں بے تکلفی اور صداقت کا خیال رکھتا ہے۔ کچھ ایسے ہی اسلوب میں خود اپنےساتھ بیتےہوئے واقعات انھوں نے اپنے کالموں میں بیان کیے۔

خود نوشت دراصل لکھنے والے کی داخلی کیفیات کو ایک لطیف احساس کے ساتھ پیش کرتی ہے۔اور اس میں ذاتی زندگی کے جذباتی پہلوؤں کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ڈاکٹر آل احمدسرور لکھتے ہیں:

''خود نوشت تاریخ نہیں ہے مگر اس میں تاریخی حقائق ضرور ہیں۔ یہ واقعات کا خشک بیان بھی نہیں ہے۔''(1)

منو بھائی کے حوالے سے ان کے ذاتی واقعات پر مبنی کالموں کے بارے میں ان کے بھانجے ڈاکٹر احمد بلال کہتے ہیں:

''انہوں نے اپنی زندگی اور اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے کافی معلومات اپنے قارئین کے سامنے پیش کیں۔''(2)

ان کے کالموں میں ایسے واقعات کا ذکر ہے جو ان کی نجی زندگی کے چھپے ہوئے گوشوں سے پردہ اٹھاتے ہیں۔منو بھائی نے اپنی گونا گوں مصروفیات کے باعث خود نو شت کی حسرت دل میں لیے اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئے۔منو بھائی کی بہن فرخندہ قریشی ان کے حوالے سےکہتی ہیں:

''منو بھائی اپنی زندگی کے واقعات کو کتابی شکل میں چھاپنے کے خواہش مند تھے لیکن

---

[1]ریسرچ سکالر پی ایچ ڈی (اردو)، قرطبہ یو نیو رسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالو جی ڈیرہ اسماعیل خان
** پروفیسر، شعبہ اُردو، قرطبہ یو نیو رسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالو جی ڈیرہ اسماعیل خان

زندگی نے انہیں مہلت نہ دی ۔البتہ سال 2017ء میں انہوں نے کچھ کالم ایسے لکھے جس سے ان کی زندگی کے بارے میں کافی کچھ قارئین کے سامنے پیش کیا گیا۔ ''(3)

منو بھائی کی زندگی میں کئی مسائل آئے جس کا انھو ں نے کمالِ بہادری سے مقابلہ کیا۔منو بھائی اور فتح محمد ملک گورنمنٹ کالج اٹک میں ایک ساتھ پڑھتے رہے۔ فتح محمد ملک کے بقول منو بھائی کی زندگی نشیب وفراز سے بھری ہوئی ہے۔ انھوں نے مختلف قسم کے شخصی قصوں اور واقعات کو اپنے کالم بسلسلہ ''میں تے منو بھائی'' میں پیش کر کے قارئین کے دل جیت لیے۔(4)

اپنے کالموں میں منو بھائی نے اپنے رشتہ داروں اور عزیزواقارب کا تذکرہ کبھی یا ہے اور اپنی زات کا بھی۔وہ اپنی زندگی کے حالات وواقعات کو بیان کرنے کے لیے یاداشتوں پر مبنی خود نوشت سوانحی کتاب لکھنا چاہتے تھے۔مگر انھیں زندگی میں اس کی مہلت نہ ملی۔مگر اس قسم کی خواہش کا اظہار ان کے کالموں میں ہمیں ضرور ملتا ہے۔

اپنی زندگی کے حالت وواقعات کا بیان وہ چاہے کتاب میں ہوں یا کالم میں یا کسی مضمون میں انھیں خود نوشت سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ڈاکٹر ابوالاعجاز حفیظ صدیقی خودنوشت اسے قرار دیتے ہیں جو لکھنے والے کی زندگی کی عکاسی کرتی ہو:

''وہ تصنیف جس میں ،مصنف نے اپنے حالات زندگی بیان کیے ہوں۔''(5)

ان کے کالموں میں لکھے گئے ذاتی حالات اور واقعات کثیر جہتی زاویوں کے بجائے مخصوص نجی نوعیت کے ہیں۔

''یادوں کی مجوزہ کتاب ''میں تے منو بھائی ان لوگوں اور ان سے جڑے واقعات کے بارے میں ہے جو میرے بچپن ،نوجوانی اور بڑھاپے میں میری زندگی میں آئے اور اپنی خوشگوار یادیں چھوڑ گئے۔''(6)

خوشگوار یادیں چھوڑنے والوں کے حوالے سے انھوں نے بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور وہ سب نام گنوائے ہیں جن سے ان کا کسی نہ کسی حوالے سے قریبی تعلق رہا، یا وہ جن سے متاثر رہے۔

''ان لوگوں میں ذوالفقار علی بھٹو، بیگم نصرت بھٹو، شہید بے نظیر بھٹو اور آصف علی زرداری سے لے کر بہت سے شعراء اور ادیب مثلاً فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، خدیجہ مستور، حاجرہ مسرور، انتطار حسین ،میرے بے تکلف یار وارث میر اور حامد میر جیسے روشن دماغ دکھائی دیں گے ۔''(7)

انھوں نے اپنے دوستوں میں جہاں شفقت تنویر مرزا کا ذکر بڑی محبت سے کیا ہے وہاں وہ جاوید شاہین کو بھی نہیں بھولے۔ خاص طور پر کشور ناہید سے وہ بہت متاثر دکھائی دیتے ہیں ان کے یہ دوست اپنی بے شمار خوبیوں کے ساتھ ان کے کالموں میں نظر آتے ہیں۔

منو بھائی کے کالم متنوع اندازِ بیان رکھتے ہیں وہ ایک مخصوص اندازِ فکر کے حامل ہیں جس میں سادگی اور بےتکلفی پائی جاتی ہے۔

وہ روانے کے ساتھ اپنے واقعات کو اس طرح اپنے کالموں کا جزو لازم بنا دیتے ہین کہ پڑھنے والے کو محسوس نہین ہوتا کہ وہ کسی اور کے بارے میں لکھ رہے ہیں یا وہ اپنی ذات کو اپنے کالموں کے آئینے میں پیش کر رہے ہیں۔ کیونکہ ان کی ذات میں ایک ایسا ادیب موجود تھا جسے لوگ پڑھنا چاہتے تھے اور جس سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ان کے قارئین ان کے کالموں کے منتظر رہتے تھے۔ خاس طور پر یاد رفتگاں کے حوالے سے ان کے کالم مشہور رہے ۔وہ جب کسی مرحوم کے بارے میں کالم لکھتے تو کئی باتیں ایسی بھی بیان کردیتے جو مرحوم کے توسط سے خود ان کی شخصیت اور ذات سے تعلق رکھتی تھیں۔

منو بھائی کے کالموں میں ان کی زندگی سے متعلق مختلف قسم کے واقعات اور باتیں ملتی ہیں ۔ ان کی زندگی ہموار نہیں تھی بلکہ اس میں کہیں کہیں بڑے بڑے نشیب وفراز آئے جنھیں منو بھائی نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ طے کیا۔ وہ اپنے ایک کالم میں رقم طراز ہیں:

''کلیام اعوان تحصیل گوجر خان کا ایک اسٹیشن ہے ۔ کلیام شریف کے دربار میں ایک رقاصہ اختر بیگم کا مجرا بھی یاد ہے والد صاحب کے ایک دوست ''موٹھوؑ'' کے ریڈیو پر پہلی بار جنگ عظیم کی خبریں سننا بھی یاد ہے اور اس اسٹیشن سے تبادلے کے وقت اسٹاف کا رونا بھی یاد ہے۔''(8)

خود نوشت سوانح کی ایک خوبی اس میں موجود اس کا سچائی سے بھرا ہوا لہجہ ہوتا ہے جو کہ ہمیں منو بھائی کے کالموں میں دکھائی دیتا ہے۔ اپنی پہلی ہی نظم جو انھوں نے سنائی اس کے بارے میں دیکھئے کس انداز میں انکشاف کرتے ہیں ۔ایسا یک خودنوشت نگار ہی کرسکتا ہے جو کہ اپنی زندگی کی باتوں کو صاف صاف لکھنا چاہ رہا ہو:

''پنجابی زبان میں پہلی نظم مجھے شفقت تنویر مرزا نے لکھ کر دی تھی جو میں نے ایک جلسہ عام میں اپنی نظم کے طور پر پڑھی۔ اور بے پناہ داد پائی اور پھر کوشش کی کہ اس معاملہ میں خود کفیل ہوجاؤں۔''(9)

وہ اپنے کالم پڑھنے والوں کو ان واقعات سے بھی روشناس کراتے رہے جو ان کے زندگی کے مختلف گوشوں کو بے نقاب کرتے ہیں یا اان کی زندگی کے مختلف دوست، یار احباب سے جو ان کی بے تکلفی تھی اسے بھی سامنے لاتے رہے۔ اس حوالے سے انھوں نے کسی بھی لگی لپٹی کے بغیر واقعات کو من وعن پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یوں ان کے خودنوشت واقعات کالم میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے دلچسپی کا باعث بنتے چلے گئے۔

وہ حسب عادت اپنے ایک کالم میں کچھ یوں لکھتے ہیں :

''میں 1956 میں تعمیر اخبار میں بطور مترجم بھرتی ہوا تھا میرا کام خبروں کے علاوہ اشتہارات کا ترجمہ کرنا اور کالموں کی پروف ریڈنگ کرنا بھی تھا کچھ عرصہ بعد میں نے اس اخبار میں پہلے "اوٹ پٹانگ" کے عنوان سے اور پھر "دید شنید" کے عنوان سے روزانہ کالم لکھنے کا اضافی کام اپنے ذمے لے لیا۔ ''(10)

یعنی وہ اپنی حیثیت سے زیادہ کام کرنے کے عادی تھے اور اخبار کی نوکری کے شروع ہی میں انھوں نے خود کا اخبار والوں کی کمزوری بنا لیا۔ کہ انھیں روزانہ کالم لکھ کر دینے لگے۔ یوں انھیں اخبار میں اپنا مقام بنانے میں بڑی محنت کا سامنا کرنا پڑا بہت کام کرنا پڑا مگر ان کی زندگی میں کسی بھی موڑ پر وہ کام سے آنکھ چراتے نظر نہیں آتے اسی لیے انھوں نے تحریر کا اتنا سرمایہ زیادہ چھوڑا ہے کہ ان کی زندگی کے کئی پہلوؤ ں پر بڑی آسانی کے ساتھ طویل سے طویل بات کی جاسکتی ہے۔

منو بھائی کی تصانیف ا ور کالموں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ہشت پہلو انسان تھے۔ شاعر، ڈراما نگار، مترجم، اور کالم نگار تھے ۔ کالم نگاری کے بعد ان کی شہرت کی وجہ ان کے لکھے ہوئے ڈرامے بھی تھے۔ جن کی وجہ سے وہ عوامی سطح پر مقبولیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔اس کا اظہار بھی ہمیں ان کے کالموں ہی سے ہوتا ہے۔ کہ انھیں ڈرامانگاروں میں کیا مرتبہ اور مقام حاصل تھا۔انھیں ڈراما نگار کے میدان کا راستہ دکھانے والی شخصیت اسلم اظہر کی تھی۔ وہی انھیں ڈراما نگاری کی فیلڈ میں لے کر آئے اور انھون نے پہلا ڈراما "پل شیر خان" کے نام سے لکھا جو کہ کامیاب تجربہ رہا اور عوام میں مقبول ہوا۔۔ اس کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''یہ ڈراما میرا پہلا ڈراما تھا اسی ڈرامے کے معاوضے میں مجھے لکھنے والوں کے "آؤٹ سٹینڈنگ ریٹ" سے نوازا گیا جو کہ بہت کم لکھنے والوں کو مل سکتا تھا ۔ اس ڈرامے کے ہیرو ریڈیو کے اداکار تھے جب کہ ہیروئین کا کردار فیض احمد فیض کی بیٹی منزہ ہاشمی نے ادا کیا۔''(11)

انھوں نے جس ڈرامے کا ذکر کیا ہے اس ڈرامے پروڈیوسر اسلم اظہر تھے جو کہ ایک معروف پروڈیوسر تھے اور جنھیں کام کرنا بھی آتا تھا اور کام لینا بھی۔ بقول منو بھائی اسی ڈرامے کی وجہ سے ان کے دل میں مزید ڈرامے لکھنے کا خیال آیا اور انھوں نے لکھنا شروع کردیا۔بقول ان کے:

''یہ (ڈراما)بہت کامیاب رہا۔ اس کے بعد مجھے مزید ٹیلی ویژن ڈرامے لکھنے کا لالچ ہوگیا۔''(12)

کتنےسادہ انداز اور بے تکلفی سے اس نے اپنے اندر کے لالچ کو بیان کر دیا جو کہ دراصل لالچ نہیں تھا بلکہ کام کرنے اور آگے بڑھنے کی لگن تھی جس کی وجہ سے منو بھائی کو بطور مصنف عوامی پذیرائی حاصل ہوئی۔

وہ اپنے داخلی جذبات اور خارجی معاملات کے بارے میں اپنے کالموں میں کچھ نہ کچھ رقم کرتے رہے۔ وہ ایک بڑے ادیب اور کالم نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عام آدمی کی طرح اپنے دوست احباب بھی رکھتے تھے جو انھیں بہت پیارے بھی تھے وہ ان سے مل کر خوش ہوتے، ان کے ساتھ اپنا وقت گزارتے ،بیتے ہوئے لمحات کو یاد کرکے مسرت محسوس کرتے۔ ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے کبھی ان سے ہنسی مذاق اور دل لگی کی باتیں کرتے کبھی ان کے غم اور الم میں رنجیدہ ہوجاتے۔ وہ ان دوستوں کو یاد کرنے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ آج رات سونے سے پہلے میں نے باقی صدیقی کو ناصر کاظمی کو مختار صدیقی کو اور ریاض شاہد کو یاد کیا اور ان سب یادوں کو میں نے اپنے کلیجے سے لگا کر کروٹ بدلی تو اپنے دل کی دھڑکن سے خوف آنے لگا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ اگلے سال معلوم نہیں یہ دھڑکن اور ایسی کتنی دھڑکنیں خاموش ہوں گی۔ اور 1973ء کی آخری رات کو کوئی شخص ان لوگوں کی باتیں یاد کر رہا ہوگا جن کی دھڑکنیں اس سال خاموش ہوگئیں۔''(13)

یہ کالم پڑھ کر ان کے احساسات اور حالت کی سنگینی دیکھ کر پڑھنے والا بھی رنجیدہ ہوجاتا ہے۔ ان کے کالموں میں گہری تاثریت پائی جاتی ہے۔ ہر کالم کوئی نہ کوئی تاثر چھوڑتا ہے، یہی تاثر ان کے درد والم اور ذاتی کرب کے اظہار میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ وہ اپنے کالم لکھتے ہوئے اپنی شخصیت اور اپنی ذات کے ساتھ جڑے ہوئے رشتوں اور چیزوں کو بھی اہمیت دیتے ہیں اور انھیں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان کے ذات کے کئی گوشے کھل کر نمایاں ہوجاتے ہیں۔ وہ ایک ماہر لکھاری ہی نہیں انسان شناس اور فطرت کو سمجھنے والے ادیب بھی تھے۔ جنھوں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھ کر زندگی کے بارے میں زندگی بھر لکھا اور زندگی بھر انھیں لوگوں نے دل لگا کر پڑھا۔

منو بھائی نے کہیں گھریلو حالات، کہیں دوستوں کے واقعات اور کہیں سکول اور کالج کی یادون کا سلسلہ لگا دیا ہے۔ اگر ہم ان سب واقعات کو ہی اکٹھا کر لیں تو کسی حد تک ان کی ایک بڑی مستند خودنوشت مرتب ہوجائے گی۔

جہاں تک دور طالب علمی کی بات ہے انھیں ان کے کلاس فیلو اور دوسرے لوگ ٹونٹی دو کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ یوں کہ ان کا نام پڑ گیا تھا۔ یہ نام بھی انھوں نے بتایا کہ کیسے ان کی اپنی غلطی اور بے ساختگی کی وجہ سے پرا کہ جب ان کے پرنسپل نے ان سے ان کے اپنے رول نمبر کے بارے میں استفسار کیا تو انھوں نے تونٹی ٹو کہنے کے بجائے بے ساختہ ٹونٹی دو کہہ دیا۔ جسے دوسرے طالب علموں نے سن لیا بس پھر تو انھوں نے یہ نام ہی رکھ دیا اور اسی نام سے انھیں پکارنے لگے۔ (14)

وہ کالم لکھتے وقت گہرے مشاہدے سے کام لیتے ہیں اور جہاں کہیں ممکن ہو وہ اپنا تجربہ اور خود پر بیتی صورت حال کو بھی قاری کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ یوں وہ اپنا کتھارسس بھی کر لیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی سوانح کا ایک آدھ ٹکڑا بھی کالم میں محفوظ کرلیتے ہیں۔

بڑا دیب جب کبھی لکھنے بیٹھتا ہے اور خاص طور پر کالم جسے عموماً ہنگامی نوعیت کی تحریر سمجھا جاتا ہے تو وہ اس میں اپنی خودنوشت شامل کرکے اسے ایک اہم اور خاصے کی تحریر بنا دیتا ہے۔ قاری بھی اکثر اوقات اپنے پسندیدہ ادیب کو سمجھنا چاہتے ہیں اور اس کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں جس کا سب سے اہم ، بنیادی اور مستند سورس یہی خودنوشت تحریر کے اجزاء قرار پاتے

ہیں اگر اس نے اپنی کوئی خود نوشت تحریر نہ کی ہو اور یا کسی نے اس کی سوانح بھی نہ لکھی ہو۔

منو بھائی ایک حساس انسان تھے انھوں نے کئی واقعات بڑی جزئیات کے ساتھ لکھے ہیں اور جنھیں پڑھ کر سارا منظر آنکھوں نے سامنے گھوم جاتا ہے ۔ ان کا ایک یادگار واقعہ وہ ہے جس میں انھوں نے اپنے نوکر کو تھپڑ مارا تھا۔ مگر انھیں یہ یاد نہیں رہا بعد میں تھپڑ مارنے کیا وجہ تھی۔ وہ تھپڑ مارنے والا منظر تو انھیں یاد رہ گیا مگر وجہ نہیں۔لکھتے ہیں:

''مجھے وہ بات بھی یاد نہیں جس پر میں نے علی محمد کو تھپڑ مارا تھا شاید اس نے بے دھیانی میں میرے لکھے ہوئے کاغذ کُوڑے میں پھینک دیے تھے یا ہوسکتا ہے میرا قلم اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا ہو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے کسی ایسے شخص کو جسے میں ملنا نہیں چاہتا تھا بتا دیا ہو کہ میں گھر پر ہوں یا مجھے کسی غلط بات پر ٹوکا ہو۔ میں اسے چاچا علی محمد کہتا تھا اور بعض اوقات وہ واقعی چچا بن جاتا تھا اور نصیحتیں شروع کردیتا تھا ۔''(15)

منو بھائی کے اس کالم میں شائع ہونے والی تحریر کو پڑھ کر بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ باطنی طور پر اس بات پہ نادم ہیں کہ انھوں نے اپنے نوکر کو تھپڑ مارا اور وہ نوکر جو کہ انھیں سگے چاچا کی طرح پیار کرتا تھا۔ مگر پھر وہ خود اس کی تاویلیں بھی پیش کرتے چلے جاتے ہیں کہ کئی وجوہات ہوسکتی ہیں تھپڑ مارنے کی اور جتنی بھی وجوہات انھوں نے گنوائی ہیں وہ فوری اشتعال اور غصے کی حالت کی ہیں جس میں انسان واقعی غیر ارادی طور پر یا نادانستہ ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے۔ مالکوں کے لیے نوکر کو تھپڑ مارنا معمول کی بات ہے مگر چونکہ منو بھائی ایک ا دیب ہیں ا ور دلِ حساس رکھتے ہیں اسی لیے اس بات پہ پچھتا رہے ہیں۔ اور اسے اتنی اہمیت دی کہ اس کا ذکر اپنے کالم میں کرنا ضروری سمجھا۔ اور ایک بات کا اعتراف اور بھی کیا ہے گیا ہے اس کالم میں:

''میں اسے چاچا ضرور کہتا تھا مگر چچا سمجھتا نہیں تھا چچا سمجھ بھی کیسے سکتا تھا ،وہ میرا نوکر تھا میں اسے ماہوار پندرہ سو روپے دیتا تھا۔''(16)

ان کے کالموں میں ماں کی ممتا کا ذکر بھی ملتا ہے، رشتے داروں اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں کی معلومات بھی، استادوں کے شفیق رویے بھی نظر آتے ہیں ۔ساتھ میں کھیلنے والے دوستوں کا احوال بھی ہے، کلاس فیلوز کے حوالے سے بھی یادداشتیں ہیں۔امتحان کے دنوں کی مصروفیات اور امتحانی تیاری بھی اور اس کے علاوہ مختلف ریلوے اسٹیشنوں کا احوال بھی ملتا ہے جہاں جہاں ان کے والد کا ٹرانسفر ہوتا رہا اور وہ ان کے ساتھ سفر شہر شہر سفر کرتے رہے۔

ان کے کالموں میں ان کے بچپن کے واقعات بھی ملتے ہیں ، نوجوانی اور جوانی کے تلخ وشیریں حالات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے، ڈھلتی ہوئی عمر کا افسوس بھی دکھائی دیتا ہے اور بڑھاپے کے رنج والم کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

ایسے واقعات جنھیں انسان عمر کے کسی بھی حصے میں نہین بھولتا وہ انسان کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ ان کی یادیں ہمیشہ انسان اپنے سینے سے لگا کر جیتا ہے یہی کیفیات ہمیں منو بھائی کے کاملوں کے خودنوشت حصے میں نظر آتی ہے۔

انھوں نے اپنے کالموں میں سیاسی واقعات کو بھی پیش کیا ہے ۔کہیں نمایاں انداز میں اور کہیں اختصار کے ساتھ وہ ایک صلح جو انسان اور جمہوریت پسند شہری کے طور پر خود کو انٹروڈیوس کراتے ہیں ۔ ایوب خان کے دورِ حکومت کے بارے میں لکھتے ہیں:

'' وزیر خوراک جنرل محمد اعظم خان کو پتہ چلا کہ دیہات میں مرغیاں کھیتوں میں سے بیج نکال نکال کر کھا جاتی ہیں اس کے تدارک کے لیے انھوں نے پنجاب کے دیہات کا ایک طوفانی دورہ کیا اور بہت سے ایسے لوگوں کو مارشل لا کے تحت پکڑا جن کی مرغیاں کھیتوں میں سے بیج نکال نکال کر کھا رہی تھیں۔''(17)

ان کا اندازِ نگارش اس قدر اچھا ہوتا تھا کہ عامق اری بھی بڑی دلچسپی کے ساتھ ان کی تحریروں

اور کالموں سے جڑا ہوا تھا۔ان کی تحریر میں بلا کی کشش تھی۔

ان کے خود نوشت کالموں سے انسان کو کئی سبق بھی ملتے ہیں اور معلومات بھی۔ سبق یہ کہ بڑوں کی خاص طور پر والدین اور اساتذہ کی خدمت ہی میں کامیابی کا راز مضمر ہے۔اس حوالے سے وہ اپنے استاد غلام جیلانی برق کا ذکر بڑی عقیدت اور محبت سے کرتے ہیں اور پورفیسر یعقوب کو بھی نہیں بھولتے۔جہاں تک معلومات کا تعلق ہے تو وہ نہ صرف اپنی زندگی سے متعلق باتیں گوش گزار کرتے ہیں بلکہ ان کے عہد کی بھی ان کالموں میں بڑی حد تک واضح اور صاف تصویر نظرآتی ہے۔

وہ چھوٹی سی چھوٹی بات میں سے ایسا پہلو نکال لیتے ہیں کہ پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ انھوں نے اپنے کالموں میں شہری اور دیہاتی ماحول اور لوگوں کا موازنہ بھی کیا ہے کیونکہ وہ خود بچپن میں دیہاتی زندگی کا مزہ لے چکے تھے اسی لیے انھیں دیہات کے لہلہاتے ہوئے کھیت کبھی نہیں بھولے۔اور ساتھ ہی کلوکوٹ کے ٹیلوں کو بھی انھوں نے ہمیشہ یاد رکھا۔ وہ بات کرتے ہوئے اوپلے تھاپنے والیوں کو بھی نہیں بھولتے کہ ان اوپلے تھاپنے والیوں کی روزی روٹی اسی مزدوری سے وابستہ ہے۔

دوران بیماری انھوں نے اپنے احساسات اور مشاہدات کو بڑے عمدہ انداز میں پیش کیا ہے جب وہ میو ہاسپٹل میں داخل تھے۔داخلی کیفیات اور خارجی مسائل کا ذکر ان کے خود نوشت واقعات میں پیہم ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

اگر ہم ان کے کالموں کا مجموعی جائزہ لیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ انھوں نے ایک عام شخص کی زبان میں ایک بڑے آدمی کی زندگی کے مختلف واقعات کو خوبصورتی سے بیان کردیا ہے۔ اور کالم نگاری میں ایک نئی جہت کو متعارف کرایا ہے۔

ان کی یہ خوبی ہے کہ انھوں نے کالم اور خود نوشت کو ملاکر اپنے کالموں میں نیا رنگ پیدا کیا۔ ان کالموں سے نہ صرف ان کے دور کی ادبی وسماجی صورت حال کا پتہ چلتا ہے بلکہ ان کے خود نوشت واقعات کی وجہ سے ان کی زندگی کے کئی زاویے بھی سامنے آتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ آل احمد سرور،خواب باقی ہیں، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاوس ،۱۹۱۹ء،ص۷
2- مقالہ نگار کا منو بھائی کے بھانجے ڈاکٹر احمد بلال سے انٹرویو بتاریخ۲۵ فروری ۲۱۲۱ءبوقت: ۱۱۔ اے ایم
3- مقالہ نگار کا منو بھائی کی بہن فرخندہ قریشی سے انٹرویو بتاریخ۲۵ فروری ۲۱۲۱ءبوقت: ۱۱۔ ۱ے ایم
4- مقالہ نگار کا ڈاکٹر فتح محمد ملک سے ٹیلیفونک انٹرویو بتاریخ یکم جنوری۲۰۲۱، بوقت : ۱۲ ۔ اے ایم
5- ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۸ء، ص۱۱
6- منو بھائی، کالم گریبان، مشمولہ روزنامہ جنگ لاہور، ۲۷، اکتوبر ۲۰۱۷ء
7- ایضاً۔
8- منو بھائی، **ناوک دشنام** ، مرتب کشور ناہید ، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۲ء ،ص٦
9- ایضاً،ص۸
10- منو بھائی، جنگل اداس ہے، لاہور: گل رنگ پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء، ص۱٦۴
11- منو بھائی،کالم بعنوان اسلم اظہر بسلسلہ میں تے منو بھائی، روزنامہ **جنگ** لاہور، ۳دسمبر۲۰۱۷ء
12- ایضاً۔
13- منو بھائی، کالم بعنوان انتظار کی دہلیز پر ۳٦۵ چراغ، روزنامہ **امروز**،۱۹۷۲ء
14- منو بھائی کالم بعنوان میرا شجرہ نسب اور میرا شجرہ کسب، مشمولہ روزنامہ جنگ لاہور، ۲۵، اکتوبر۲۰۱۷ء
15- جاوید شاہین، منو بھائی کے گریبان، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء،ص۳۱
16- ایضاً
17- منو بھائی،ناوک ودشنام(مرتبہ کشور ناہید)لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۸۲ء،ص۳۹